© rasailojaraid.com

علامہ سیّد جمال الدّین افغانی

(سنہ ۱۲۵۴ھ مطابق سنہ ۱۸۳۹ء تا سنہ ۱۳۱۴ھ تا ۱۸۹۷ء)

از

مترجمہ

(مولوی محمد ثناء اللہ صاحب جامعہ عربیہ دار السلام عمر آباد)

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

صدیاں گذرتی جاتی ہیں لیکن دُنیا اور اہلِ دُنیا کو نہیں معلوم ہوتا کہ معاشی لوٹ کھسوٹ کے علاوہ بھی ان کی تخلیق کا کوئی مقصد ہے نہ ان میں اچھے بُرے کی تمیز اور پرکھ کی صلاحیت ہوتی ہے نہ اپنے مبداء و معاد کی ہستی سے کچھ واقفیت۔ ایسے میں فطرتِ الٰہیہ اپنا فریضہ انجام دیتی ہے اور صدیوں بعد کسی ایک قوم کے کسی ایک فرد کو حیرت انگیز بخشائشوں سے گرانبار کرتی ہے جن سے کام لے کر وہ بتاتا ہے کہ یہ کائنات رنگ و بو کے ایجاد کے اسباب و علل کیا ہیں؟ غافل تھے تو ایسے یا اب دیکھنے لگے ہیں تو سارے حقائق ان کے سامنے! ہاں! یہی لوگ ہیں جو آسمان علم کے آفتاب ہیں اور ان کا وجود اقوامِ عالم کے حق میں عین رحمت ہے۔ جہالت کے پردوں کو چاک کرنا، فطرت کے مخفی اور سربستہ رازوں کی تشریح اور قوانینِ قدرت کی وہ توضیح ان کا نصب العین ہے۔ لیکن فطرت اس باب میں "کوتاہ دست" واقع ہوئی ہے چناں چہ پہلے قدم پر وہ ایسے افراد کو صدیوں کے بعد کسی ایک قوم میں جنم دیتی ہے اور دوسرے قدم پر وہ انھیں اس کارگاہ ہست و بود میں زیادہ مہلت نہیں دیتی۔ پھر دنیا صدیوں تک انھیں کے نقش قدم پر چلتی ہے اور جب یہ نقوش مٹ جاتے ہیں تو دوبارہ ایک دوسری ہمہ گیر ہستی جنم لیتی ہے۔ وھلم جرا — یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ ابتدائے آفرینش سے نظام ہدایت رشد انہی خطوط پر چال رہا ہے۔ اس طرح معلوم نہیں کتنی ہستیاں اس دنیا میں آئیں اور چلی گئیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ان یگانۂ زمانہ شخصیتوں کی زمانہ نے قدر نہ کی۔ ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوسائٹی ان کے تخمِ فکر و نظر کی بارآوری نہ کر سکی اس طرح ان کی ساری جدوجہد اکارت گئی۔ دنیا کسی کام کی اہمیت پہچاننے کا جو بیرومیٹر اپنے پاس رکھتی ہے وہ صرف مفاد ذاتی ہے اور اس عینک کو اپنی آنکھوں سے نکالنا نہیں چاہتی اس لئے بے شمار افراد ایسے گذرے ہیں جن کو تاریخ نے نظر انداز کر دیا۔

تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چوں مسیح — باز پس رفتی و کس قدر تو نہ شناخت دریغ

یہی حال علامہ مرحوم کا ہے جن کا آئندہ صفحات میں ہم آپ سے تعارف کراتے ہیں۔ دنیا آپ کو ایک مصلح کی حیثیت ہی سے نہیں اور بھی کئی حیثیتوں سے جانتی ہے۔ حالاں کہ آپ نے کوئی باقاعدہ مستقل تصنیف نہیں کی۔ لیکن آپ کے تلامذہ و منتسبین کی وساطت سے آپ کی تعلیمات سے دنیا آشنا ہوئی۔

علامہ جمال الدین نے افغانستان کے اسعد آباد نامی ایک گاؤں میں جو مضافاتِ کابل میں واقع ہے ۱۲۵۴ھ میں ایک علمی اور معزز خاندان میں آنکھ کھولی۔ سید علی ترمذی کے خاندان سے ہیں، اس طرح ان کا سلسلۂ نسب حضرت حسین تک چلتا ہے۔ ان کے آباء و اجداد صوبہ کنڑ میں آباد رہے ہیں۔ جہاں ان کا خاندان پھلا پھولا اور پھیلا۔ چوں کہ یہ خاندان سادات کا خاندان تھا اس لئے افغانیوں کے دلوں میں طبعاً اس سے گہری الفت و عقیدت تھی اور وہ اس کے تمام افراد کو بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے

ایک زمانہ میں یہ خاندان افغانستان کے ایک صوبہ اور علاقہ کے سفید اور سیاہ کا مالک بھی رہا ہے۔ جس کو بعد میں دوست محمد خاں شاہ افغانستان نے ان سے چھین لیا اور آپ کے والد ماجد سید صفدر اور چچا کو کابل لے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال سے زائد نہیں تھی۔ یہاں پہنچ کر والد محترم نے آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی، چناں چہ آپ نے اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں عربی علوم اور فنِ تاریخ کی تحصیل کی، دینی علوم، تفسیر، حدیث،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ، اصولِ کلام اور تصوف کی تکمیل کر لی۔ معقولات میں منطق، عملی، سیاسی معاشرتی اور تمدنی فلسفہ کی تعلیم پائی۔ طبعیات اور الٰہیات میں درک حاصل کیا، علوم ریاضی بالاستیعاب سیکھے اور طب و علم تشریح میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ بچپن ہی سے ہوشیاری اور فراست کی کہنا چاہئے منہ بولتی تصویر تھے۔ ہاں ایاد رہے کہ ان تمام علوم میں کمالی اور ان سے فراغت صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی۔

اس کے بعد آپ کو سفرِ ہند درپیش ہوا، چناں چہ ہندوستان تشریف لے آئے تقریباً دو سال یہاں قیام رہا۔ اس دوران میں علم ریاضیات کا جدید انگریزی طرز پر مطالعہ جاری رکھا۔ پھر فریضۂ حج سے سبک دوش ہونے کی غرض سے سرزمین حجاز کا رُخ کیا، کامل ایک سال حجاز کے مختلف شہروں کے مشاہدے کے بعد ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء میں مکہ معظمہ تشریف لائے۔ اس یک سالہ سیاحت کے دوران میں مختلف لوگوں کے حالات نزدیک سے دیکھنے کا موقع ہاتھ آیا۔ یہاں سے اپنا رُخ افغانستان کی طرف موڑ دیا اور دوست محمد خاں والی افغانستان کے عہدِ ولایت میں سلطنت کے ایک اہم رکن اور ستون کی حیثیت سے کام کیا۔

جب دوست محمد خاں ہرات کو زیرنگیں کرنے اور اپنے چچا زاد بھائی اور داماد سلطان احمد شاہ کو زک دینے کی غرض سے ایک لشکرِ جرار لے کر نکلا تو اس لشکر میں آپ بھی موجود تھے۔ محاصرہ کی ساری مدت آپ وہیں رہے، اس اثنا میں دوست محمد خاں کا انتقال ہو گیا، ایک مدتِ مدید تک سخت محاصرہ کے بعد ہرات فتح ہو گیا اور حکومت کی زمام کار ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں مرحوم بادشاہ کے ولی عہد شیر علی خاں نے سنبھالی۔ چند دن ہی گذرے تھے کہ اس کے وزیر اعظم محمد رفیق خاں نے اسے مشورہ دیا کہ اپنے تمام بھائیوں محمد اعظم، محمد اسلم اور محمد امین کو گرفتار کر کے نظر بند کر دے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں یہ تینوں لوگوں کے ساتھ ساز باز کر کے ملک میں فتنہ برپا کریں۔ ان تینوں میں علامہ جمال الدین محمد اعظم کے دل دادہ اور پشت پناہ تھے۔

بادشاہ کو بھائیوں کی گرفتاری سے متعلق وزیر کی تجویز بہت پسند آئی۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے ہی والا تھا کہ اس کی یہ سازش اس کے تینوں بھائی بھانپ گئے اور انھوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی ریاست کو اپنا کعبۂ مقصود بنا لیا جوان کو ورثے میں ملی تھی لیکن فتنہ و فساد فرو تو کیا ہوتا روز بہ روز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جڑ پکڑتا اور پھیلتا گیا، اندرونی خلفشار کی بنیاد پڑی۔ ان تینوں بھائیوں میں بڑی رزم آرائیاں ہوئیں۔ محمد اعظم اور اس کے بھتیجے عبدالرحمٰن کا پلہ نتیجے میں بھاری رہا، چناں چہ پائے تخت پر انھوں نے قبضہ جما لیا اور عبدالرحمٰن کے والد محمد افضل کو جو دوست محمد خاں کا پانچواں بیٹا تھا قزنہ کے قید خانے سے رہا کرا لیا اور بالاتفاق افغانستان کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی، تخت پر بیٹھے ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ لقمۂ اجل بن گیا، اس کے بعد اس کے بھائی محمد اعظم نے ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔

علامہ جمال الدین سے وہ اب بھی اچھے تعلقات رکھتا تھا، ان کی عزت وعظمت سے اس کا سینہ معمور تھا، چناں چہ اس نے علامہ کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔ علامہ پر روز افزوں اس کا اعتماد بڑھتا جاتا تھا، سلطنت کی چھوٹی باتوں سے لے کر چوٹی کے مسائل تک میں وہ انھی سے رجوع کرتا۔ اگر باہمی محبت اور اشتراکِ عمل کی یہی نوعیت باقی رہتی تو یہ کوئی بعید چیز نہیں تھی کہ سارے افغانستان پر محمد اعظم کا پرچم لہراتا۔ لیکن فتنہ بازوں اور ہنگامہ پروروں کا برا ہو کہ انھوں نے آپ سے بادشاہ کو بدظن کر دیا اور یہ بدظنی بادشاہ کے اپنے قرابت داروں کی جاہ طلبی اور ایک بنی بنائی سازش کا قدرتی نتیجہ تھی۔ اب جاہ طلبوں کی بن آئی اور بادشاہ نے ملک کے نظم ونسق کے اہم اور اعلیٰ مناصب اپنے کم سن، ناتجربہ کار اور زمانے کے نشیب وفراز سے یکقلم کورے بیٹوں کو سونپ دیا۔

اسی ناتجربہ کاری اور خام خیالی کا نتیجہ تھا کہ اس کے ایک بیٹے کو جو قندھار کا حاکم تھا جذبات کے بادلوں نے ملک گیری کے دھوکے میں ڈال دیا، چناں چہ وہ اپنے چچا شیر علی حاکم ہرات سے جس کا ذکر ابھی ہم کر آئے ہیں دو بدو آنکھ ملانے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ کم سن نوجوان فتح وظفر کے سپنے دیکھ رہا تھا، اس کے اندر یہ آرزو چٹکیاں لے رہی تھی کہ اگر اس نے کامیابی حاصل کر لی تو اس کے باپ کے نزدیک اس کی لیڈری چمکے گی اور قدرۃً اسے دوسرے بھائیوں پر تفوق وبرتری حاصل ہو گی۔

جب فریقین باہم معرکہ آرا ہوئے تو فرط جرأت وجوش سے وہ اپنے لشکر کے صرف دو سو سپاہ لے کر الگ ہو گیا اور ایسی کامیاب جنگ لڑی کہ دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے، صفیں چیر کے رکھ دیں اور اس کے دل میں اپنی دھاک بٹھا دی، فریق مخالف کی شکست یقینی ہو ہی رہی تھی اور واقعی اس نوجوان کی کامیابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے آثار نمودار ہو رہے تھے کہ شیر علی کے شیر دل کمانڈر انچیف یعقوب خاں نے یہ دیکھ کر کہ نوجوان فوج سے فرطِ جوش سے الگ ہو گیا ہے آگے بڑھا اور ایک بھرپور ضرب فوج پر لگا دی اور خود اس کو گرفتار کر لیا۔ اب جب کہ قندھار کی فوج کا شیرازہ منتشر ہو گیا تو یہ دیکھ کر شیر علی کی ہمت بندھ گئی، قندھار پر حملہ کر دیا نتیجہ کامیابی سے ہمکنار ہوا اور قندھار اور حاکم قندھار کو شیر علی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ اس کے بعد شیر علی کی اپنے بھائیوں سے رقیبانہ ٹھن گئی۔ اب کے شیر علی نے ڈر کے مارے مملکت برطانیہ کی پشت پناہی چاہی چناں چہ اس نے ایک خطیر رقم اس کے لئے منظور کی۔ شیر علی نے اس رقم میں سے محمد اعظم کے گورنروں اور وزراء کی خاطر تواضع کی۔ پھر کیا ہوا؟ وہی ہوا جو ایسے مواقع پر عموماً ہوا کرتا ہے، یعنی ان گورنروں وغیرہ نے امانتوں کا گلا گھونٹا، عہد و پیمان کو پھانسی دی، خیانت و غداری کو مقاصد کی سرفہرست پر جگہ دی اور بڑی آسانی سے محمد اعظم کی اطاعت و فرماں برداری کا جوا گردن سے اتار کر پھینکا جس میں خوں ریز جنگوں کی بہار دوبارہ آئی اور شیر علی کا طوطی سارے افغانستان میں بولنے لگا۔ محمد اعظم اور اس کے بھتیجے کو اس کے نتیجے میں منہ کی کھانی پڑی، اب انھوں نے اپنی خیر اس طرح منائی کہ عبدالرحمن بخارا بھاگ نکلا اور محمد اعظم نے ایران کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر چند ماہ بعد شہر نیشاپور میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

لیکن علامہ جمال الدین بدستور کابل ہی میں مقیم رہے، شیر علی نے انھیں کوئی گزند نہ پہنچائی کیوں کہ آپ کے خاندان کی عظمت و وقعت اس کے دل میں بھی گھر کئے بغیر نہ رہی تھی، اسے خوف تھا کہ اگر اس کی جانب سے آپ کے شیشۂ دل کو ذرا سی ٹھیس بھی لگے تو اس پر عوام تو عوام خواص بھی حرف گیری کریں گے، پھر اس کی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ لیکن بایں ہمہ وہ آپ کی وجہ سے اپنے دل میں خلش محسوس کر رہا تھا اور آپ کے خلاف سازش کے جال بھی بچھا رکھے تھے، وہ چاہتا تھا کہ آپ سے انتقام کا ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس کی اصلیت عوام الناس پر زیادہ سے زیادہ مشتبہ ہو۔ جب آپ کو صورتِ حال کا پتہ چلا تو آپ نے اسی میں اپنی سلامتی دیکھی کہ افغانستان چھوڑ دیں، چناں چہ سفرِ حج کی اجازت چاہی، اجازت مل گئی لیکن اس شرط کے ساتھ اس سلسلہ میں ایران سے ہو کر گزرنے والی راہ اختیار نہ کی جائے کہ کہیں محمد اعظم سے جو ایران میں ابھی تک بقیدِ حیات تھا آپ کی ملاقات ہو۔ کہ یہ ملاقات حکومت کے نزدیک تو خطرے سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ چناں چہ آپ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۹ء محمد اعظم کی شکست کے تین ماہ بعد بطریق ہند رخت سفر باندھا۔ جب آپ ہندوستان کی سرحد پر پہنچے تو حکومت ہند نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا لیکن اس نے آپ کو زیادہ دن ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ نہ ہی علماء آپ کے پاس آمد و رفت اور آپ سے رسم و راہ استفادہ کے معاملے میں آزاد تھے، ہاں! حکومت کے اپنے نگراں کی موجودگی میں اس کی اجازت تھی، یہاں آپ نے صرف ایک ماہ تک قیام کیا اس کے بعد حکومت ہند نے سواحلِ ہند سے سویز پہنچا دیا۔ آپ مصر تشریف لے گئے، وہاں تقریباً چالیس دن ٹھہرے رہے، اس اثنا میں عالم اسلامی کی مشہور و قدیم یونیورسٹی الازہر آتے جاتے رہے یہ دیکھ کر شامی طلباء آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے اور اس سرچشمۂ علوم سے اپنی سیرابی کا سامان کرتے رہے۔ ایک دن باتوں میں طلباء نے آپ سے شرح اظہار کا درس دینے کو کہا۔ آپ نے اس کی تعمیل اپنے گھر پر ہی فرمائی۔ نکلے تو حج کے ارادے سے تھے لیکن یہاں آ کر اس ارادہ کو ملتوی کر دیا اور فوراً آستانہ کا رخ کیا۔

جب یہاں ورود فرما ہوئے تو صدر مملکت عالی پاشا نے خود خدمت میں حاضری دی اور آپ کے علمی تبحّر کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ کو ایسے ایسے انعامات و اکرامات سے نوازا کہ شاید ہی آپ جیسے کسی شخص کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہو۔ آپ اس عزت پر بے خود نہ ہوئے اور صدر موصوف کی دلدہی کے خیال سے اپنے لباس و پوشاک میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ بلکہ بدستور وہی افغانی لباس زیب تن رہا۔ ملک کے علماء، روساء اور سربرآوردہ لوگ بھی آپ کی فضیلتِ علمی کی بنا پر آپ کے دل سے گرویدہ ہو گئے۔ آپ ہی کا ذکر ان کی زبان پر ہوتا۔ آپ کی محیر العقول علمی اور ادبی قابلیت کی تعریف سے وہ رطب اللسان رہتے تھے۔ حالانکہ آپ ان کے لباس و پوشاک، زبان و ادب اور طرزِ معاشرت سے بالکل بیگانہ اور ناآشنا تھے۔ اس طرح چھ ماہ کی مدت بھی گذرنے نہ پائی کہ ادارۂ تعلیمات کا آپ کو رکن نامزد کیا گیا۔ اس کے بعد بھی آپ کے خیالات و نظریات میں ہمالہ کی استقامت تھی۔

لیکن جب آپ نے تعلیم کی عام ترویج و اشاعت سے متعلق بعض تجاویز پیش کیں تو آپ کے رفقاء کار نے ان تجاویز سے نااتفاقی ظاہر کی بات یہیں تک نہ رہی بلکہ وقت کے شیخ الاسلام کو بھی یہ بات بری لگی کیونکہ ان کے سر پر یہ اندیشہ سوار تھا کہ کہیں اس سلسلہ میں عملی اقدام انھیں اپنا الو سیدھا کرنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راہ میں حائل نہ ہو چناں چہ انھوں نے اس راہ میں روڑے اٹکانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس کے بعد ۱۲۸۷ھ ماہ رمضان میں شعبۂ تعلیمات کے ڈائرکٹر جنرل نے آپ سے درخواست کی کہ علم وفن کے موضوع پر آپ ایک لکچر دیں، لیکن چوں کہ یہاں کی سرکاری زبان ترکی تھی اور اس میں آپ نے ابھی تک پوری دستگاہ حاصل نہیں کی تھی ہر چند معذرت کی اور کہہ دیا ؎ زبان یارِ من ترکی ومن ترکی نمی دانم۔

لیکن معذرت مسموع نہ ہوئی، ناچار ولاچار آمادۂ تعلیم ہوئے۔ اچھا خاصا لمبا لکچر قلم بند کر لیا اور اعیان مملکت و علماء کے روبرو اس کا کچھ حصّہ سنایا تو بڑی تعریف کی انھوں نے۔ لکچر کے لئے متعین روز آیا تو لوگ جوق در جوق اجتماع گاہ پہنچے، جن میں حکومت کے افسران و اعیان بھی تھے، بڑے بڑے علماء، اور ایڈیٹر بھی۔ آپ لکچر دینے کے لئے ایک اونچی جگہ کھڑے ہو گئے اور ایسی جامع، زوردار اور ولولہ انگیز تقریر کی اور ایسی فصیح و بلیغ زبان استعمال کی کہ سامعین جھوم اٹھے اور اس لکچر کی سحر انگیزی اور شعلہ بیانی نے حاضرین سے آپ کا لوہا منوا لیا۔ لیکن بعض اصحاب علم کو یہاں بھی آپ سے اختلاف ہوا۔ اس کی اطلاع شیخ الاسلام کو پہنچی جو پہلے ہی سے موقع کی تاک اور تلاش میں تھے۔ پھر کیا تھا اپنی شیخ الاسلامی سے فائدہ اٹھا کر حکومت وقت کو لکھ بھیجا کہ آپ کو آستانہ کے تعلق سے الگ کر دیا جائے۔ چناں چہ جلاوطنی کا حکم صادر ہو گیا۔ حکومت نے البتہ اپنی طرف سے اتنی رعایت کر دی کہ جلاوطنی کے حکم کے ساتھ چند ماہ کی قید لگادی کہ اس اثنا میں آپ پر برافروختہ اور برہم طبقۂ علماء سکھ کی سانس لیں اور بھپرے ہوئے شیخ الاسلام کا اصلی وغم دوراں بھی غلط ہو۔ آپ نے حکم کی تعمیل میں رختِ سفر باندھا۔ آپ کے کسی مخلص رفیق سفر نے ان کو مصر چلنے کا مشورہ دیا۔ چناں چہ اوائلِ محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۲ر مارچ ۱۸۷۱ء میں مصر کی سمت کوچ کیا۔

علامہ موصوف نے مصر کا سفر اس غرض سے کیا تھا کہ وہاں کے قدرتی مناظر سے اپنی تفریحِ طبع کا سامان کریں۔ مصر میں قیام کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن جب ریاض بادشاہ سے آپ کی ملاقات ہوئی اور آپ نے اس کی علمی خدمات وسرپرستی کا حال سنا تو قیام پر مجبور ہو گئے۔ حکومت نے بطور میزبانی ماہانہ ایک ہزار قرش کا وظیفہ مقرر کر دیا، اب آپ کے ہاں طالبانِ علوم آنے لگے اور درخواست کرنے لگے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ اپنے شمع علم سے ان پروانوں پر ضیاپاشی کریں۔ اپنے سرچشمہ حکمت سے تشنگانِ حکمت کی سیرابی کا سامان کریں۔ آپ نے اس درخواست کو شرفِ قبول سے نوازا۔ ایک حلقۂ درس و تدریس بھی قائم ہوا جہاں آپ نے علم کلام، طبعیات، عقلیات، علم ہیئت، تصوف اور اصول شریعت اسلام سے متعلق متعدد عامۃ الورود کتابیں پڑھائیں جس کا طالبانِ علوم نے بہت اچھا اثر لیا۔ اب ہر زبان پر آپ کے لئے تحسین و تبریک ہی کے کلمات تھے، آپ کی علمی رفعت اور ادبی مذاق کو دیکھ کر سب دنگ ہو کر رہ گئے جسے دیکھئے آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہے، اس طرح ملک کے کونے کونے اور چپے چپے میں آپ کا شہرہ ہو گیا۔

اس کے بعد آپ نے اوہام و خرافات کے تہ بہ تہ پردوں کو چاک کرنے کا بیڑا اٹھایا جن کے پردے میں حق اور حقیقت روپوش ہو گئی تھی اور ملک و ملت کی عمومی اصلاحِ حال کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ بڑے بڑے لوگوں نے اس اصلاحی مشن سے اتفاق کیا۔ چناں چہ بہت جلد اس خاموش تحریک نے اربابِ بصیرت کے لئے غور و فکر کی ایک نئی جولانگاہ کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اپنے تلامذہ میں آپ نے تصنیف و تالیف کا بھی مذاق پیدا کیا۔ ان سے ادبی، مذہبی اور فلسفیانہ مضامین لکھوائے۔ آپ کی نگرانی میں اس تصنیفی کام کو فروغ ہوا۔ اور بہت جلد ایک ممتاز اور نکھرا ہوا اسٹاف ملک میں تیار ہو گیا۔ مصر میں اس وقت جو تصنیفی و تخلیقی مہم شروع ہوئی، پروان چڑھی اور آج عروج کے انتہائی درجہ کو پہنچی ہے اس میں علامہ مرحوم کی مساعی جمیلہ کا بڑا حصہ ہے اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہی اس سلسلہ کے بانی مبانی ہیں۔ ورنہ اس سے قبل ملک میں نامور اور ممتاز علماء و ادباء کو انگلیوں ہی پر گنا جا سکتا تھا۔

آپ کے تلامذہ منتسبین اور متبعین میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو وقت کے نباض تھے اور ایسے بھی جن کی علمی استعداد اور ادبی قابلیت ہر آئینہ مسلّم رہی دیکھنے میں تو کم سن اور نو آموز معلوم ہوتے ہیں لیکن آزمایئے تو چھپے ہوئے رستم ثابت ہوں۔ بہرحال یہاں بھی حاسدوں نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ لیکن حاسد اعتراض اور نکتہ چینی کھل کر نہ کر سکتے تھے۔ کہ کوئی معقول وجہ اس کی ان کے پاس نہ تھی۔ مگر ایک طویل شکیب آزما مدت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گذر لنے کے بعد طعنہ زنی کا موقعہ ان کے ہاتھ آہی گیا۔ ہوا یہ کہ آپ کی درسیات میں ایک آدھ کتاب فلسفہ کی ایسی شامل تھی جن کے مطالعہ کو بعض متاخرین نے حرام قرار دیا تھا اور اس کے پڑھنے پڑھانے والوں کے حق میں کفر کا فتویٰ ٹھونک دیا تھا۔ پھر کس چیز کا انتظار تھا؟ آپ کی زندگی پر ان کتابوں کے مطالعہ سے جس نوعیت کا اثر جس کمیت میں مرتب ہوا اسی تناسب سے آپ کے حاسد بھی اپنی چاندی کرنے لگے۔ یہ افواہ ملک بھر میں پھیل گئی، سونے پر سہاگہ مختلف المشرب اوباشوں نے بھی ان کی ہمنوائی کی، لیکن اس ساری تگ و دو کے باوجود آپ کے واقعی اور حقیقی قدرشناسوں کے پُرخلوص دل آپ کے ساتھ رہے۔

دینی علوم کے تبحر کے ساتھ عقلیات اور فلسفے کا ذوق بہت کم جمع ہوتا ہے، پھر علمی اور فکری زندگی کا میدان عملی سیاست کی جدوجہد سے اتنا دور واقع ہوا ہے کہ ایک ہی قدم دونوں میدانوں میں بیک وقت بہت کم اُٹھ سکا ہے۔ مگر مرحوم اپنے وسیع تبحر علمی کے ساتھ ساتھ سیاسی زندگی کی شورشوں کی طرف بھی میلان و رجحان رکھتے تھے۔ چنانچہ قیام مصر کے زمانے میں آپ نے اس میلانِ طبع کو عملی جامہ پہنایا بھی، یعنی مصر کے حالات کا جائزہ لیا اور غیر ملکی سامراجی مداخلت کا مطالعہ کیا، اس کے بعد جو تاثر انھوں نے لیا اور جس نتیجہ پر پہنچے وہ یہ کہ مصر کی موجودہ پالیسی میں انقلاب اور تبدیلی ناگزیر ہے اس سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت آپ جمیتہ ماسونیہ کے رکن نامزد ہو چکے تھے پھر بعد کو ترقی کر کے صدارت کی کرسی بھی سنبھال لی۔ حالات نے کچھ ایسی کروٹ بدلی کہ انھیں اپنی جدوجہد کی روش کا رخ بدلنا پڑا۔ چنانچہ آپ نے ایک ملکی انجمن کی تشکیل کی۔ اپنے تلامذہ کو اس کی طرف دعوت دی، جن میں جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں بڑے مقتدر اور پایہ کے علماء اور سربرآوردہ ہستیاں بھی تھیں، اس انجمن کی کارکردگی کا دامن اتنا پھیلا کہ بہت ہی کم مدت میں اس کے تین سو رکن بن گئے۔ آئے دن اس کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ توبرطانوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کونسل کے سر پر اندیشہ سوار ہوا۔ اس نے حکومت سے اس جمعیت کے متعلق صد فی صد غلط بیانی اور غلط ترجمانی سے کام لیا۔ حکومت نے بھی خطرہ محسوس کر کے ملک میں جا بجا اپنے جاسوسوں کے جال پھیلا دیئے، جو ان کے تعاقب میں رہتے تھے۔ فتنہ پرور عناصر نے اس صورتِ حال سے اپنا مقصد پوری طرح نکال لیا۔ اب مصر کے حالات انتہائی مشتبہ ہو گئے۔ پھر کیا تھا؟ یار لوگوں نے یا یوں کہیے کہ صاحب لوگوں نے اس سے خوب اپنی دکان جمائی اور ایسی ایسی باتوں کی تشہیر کی جو ان جاسوسوں کے غلط بیانات کی ترجمان تھیں۔ اس وقت مصر کا والی خدیو توفیق پاشا مرحوم تھا، اس نے صورتِ حال کی نزاکت سے تنگ آکر مصر سے آپ کو نکال دینے کا حکم صادر کر دیا۔ آپ مصر سے نکلے اور ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء میں حیدر آباد دکن پہنچے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ یہیں سے آپ نے ایک پمفلٹ الرد علی الدہریین[1] قلمبند کر کے شائع فرما دیا۔ لیکن پھر دوبارہ جب مصر کی سیاسی حالت مخدوش و مشوش ہونے لگی تو حکومت ہند نے آپ کو حیدر آباد سے کلکتہ بلا یا اور پابندی لگا دی کہ کلکتہ چھوڑ کر آپ کہیں نہ جائیں۔ جب مصر کے حالات بحال ہو گئے تو اب آپ مطلق العنان تھے جہاں چاہتے جا سکتے تھے۔ اب کی آپ کو سفر یورپ کا خیال ہوا۔

چنانچہ آپ یورپ کے لئے پابرکاب ہو گئے اور اس برِاعظم کے جس شہر کو آپ نے سب سے پہلے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا وہ شہر لندن رہا ہے، کچھ دن کے بعد آپ یہاں سے عازم پیرس ہو گئے یہیں آپ کے مخلص دوست اور آئندہ ہونے والے رفیق کار حضرت شیخ محمد عبدہٗ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس وقت مصر میں ایک وطنی تنظیم "عروہ وثقیٰ" قائم ہو چکی تھی۔ اس انجمن نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنی ادارت میں اس انجمن کا ایک آرگن نکالیں۔ حالت یہ تھی کہ مصر میں داخلہ آپ کا ممنوع تھا اور

[1] اصل کتاب فارسی زبان میں تھی جس کا ترجمہ امام عبدہٗ نے عربی میں کیا۔ ۱۲ مترجم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر و پیرس کا فاصلہ معلوم ہی ہے، آپ نے ہر چند اعتذار کیا لیکن ادھر اصرار بھی بڑھتا گیا۔ چنانچہ آپ نے عروہ وثقیٰ نامی ایک رسالہ کا اجرا کیا اور اپنے دوست شیخ محمد عبدہ کے سپرد ادارۂ تحریر کر دیا۔ رسالہ نکلتا رہا مسلمانوں کو اسلامی بنیاد پر اتحاد کی دعوت دیتا رہا۔ قبولیت عوام ہی نہیں خواص کی ہمدردیاں بھی اسے حاصل رہیں۔ اور مجموعی طور پر عالم اسلامی پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔ اس کے صرف اٹھارہ شمارے منظرِ عام پر آنے پائے تھے کہ اس راہ میں چند در چند موانع و مشکلات پیش آتے گئے۔ پہلے قدم پر حکومت ہند نے ہندوستان میں اس رسالہ کا داخلہ پوری فراخ دلی سے روک دیا۔ اور اس کے قارئین کے خلاف بھی کچھ کم سخت اقدام نہیں کیا گیا۔

علامہ جمال الدین پیرس میں تین سال رہے۔ اس اثنا میں مقامی اخبارات میں آپ کے رشحاتِ قلم مختلف موضوعوں پر نکلتے رہے۔ جن میں خصوصی طور پر وقت کے اہم مسائل و مباحث مثلاً روس، برطانیہ، سلطنت علیہ اور مصر کی سیاسی پالیسی وغیرہ سے آپ نے زیادہ اعتنا کیا۔ جن میں سے اکثر و بیشتر کو انگریزی اخبارات نے ترجمہ کر کے شائع کیا تھا۔ آپ نے دورانِ قیام میں مشہور فرانسیسی فلسفی رینان سے "علم اور اسلام" کے موضوع پر کئی ایک نشستوں میں بحثیں بھی کی ہیں۔ جس سے اس پر آپ کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ آپ کی تبحر علمی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے بعد لارڈ چرچل اور لارڈ سالسبری کی دعوت پر آپ لندن تشریف لے گئے۔ دعوت کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت مہدی اور ظہور مہدی کے متعلق جو جو پیشگوئیاں اور طبع آزمائیاں ہو رہی تھیں ان کے متعلق آپ کے خیالات دریافت کئے جائیں۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے پھر فرانس کا قصد کیا۔ یہاں اکثر و بیشتر فرانسیسی علماء اور فلاسفہ سے آپ کی شناسائی ہوئی۔ ان کے دلوں میں بھی آپ کے لئے قدر و منزلت کے جذبات تھے۔

آپ یہاں سے نکلے اور نجد کا قصد کیا۔ اسی زمانے میں ناصر الدین مرحوم شاہ فارس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کو ایران آنے کی دعوت دی اور کہلا بھیجا کہ میں آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ طہران چلے، اصفہان پہنچے تو یہاں کے گورنر ظل السلطان نے آپ کی بڑی عزت کی۔ جب طہران میں فروکش ہوتے تو بادشاہ نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ درباریوں، گھروالوں اور مختلف صحبتوں میں آپ کی تعریف کے گن گانے لگا۔ اور محکمۂ جنگ آپ کے متعلق کر دیا۔ اور وعدہ کیا کہ کچھ مدت ہولے پھر چیف آف اسٹاف بنا دے گا۔

علامہ جمال الدین افغانی اقوام عالم کے طرزِ معاشرت اور رکھ رکھاؤ سے بخوبی واقف تھے، سلطنتوں کے عروج و زوال کی تاریخ میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے تھے، سیاسی پالیسیوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ سیاسیات پر جب لکچر دیتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معلومات کا ایک بحرِ ذخّار ہے جو حیرت انگیز بلاغت اور قوت استدلال کے ساتھ سحرِ سامری کا کام کر رہا ہے۔ یہاں کے امراء و علماء کو آپ سے بڑی محبت تھی۔ ایسی محبت کہ شاید ہی کسی شخص کو نصیب ہوئی ہو ــــ آپ کا گھر ایک اچھا خاصہ علمی حلقہ تھا جس میں ملک کے رؤسا اور سربرآوردہ اشخاص درس و تدریس سے استفادہ کا بے پناہ شوق لے کر آتے۔ بادشاہ کو جب صورتِ حال کی اطلاع ملی تو اس کو خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس درس و تدریس کی آڑ میں حکومت کے خلاف کوئی کھچڑی پکائی جا رہی ہو۔ چنانچہ بادشاہ کی توجہ آپ سے ہٹ گئی اور پہلی سی عقیدت باقی نہ رہی۔ آپ نے اس کو تاڑ لیا اور بادشاہ سے تبدیل آب و ہوا کی خاطر سفر کی اجازت چاہی، اجازت مل گئی، اب آپ ماسکو چلے وہاں کے اہل علم طبقے نے آپ کا بر تپاک خیر مقدم کیا کیوں کہ آپ کی تبحرِ علمی اور محیر العقول علمی و ادبی صلاحیتوں کا یہاں بھی شہرہ تھا۔ یہاں سے آپ نے بطرسبورغ کا قصد کیا اور یہاں کے بڑے بڑے علماء اور سیاست دانوں سے ملاقات کا موقعہ ہاتھ آیا۔ یہاں کے اخبارات و رسائل میں آپ نے افغانستان، فارس، سلطنت علیہ، روس اور برطانیہ کی ملکی سیاست سے متعلق بڑے مفید مضامین سپردِ قلم کئے جن سے سیاسی دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وقت اتفاق سے ۱۸۸۹ء میں پیرس فتح ہوگیا، آپ وہاں تشریف لے گئے اور بافاریا کے دار السلطنت موزغ میں پیرس سے واپس ہوتے ہوئے شاہ سے دوبارہ ملاقات کی تو بادشاہ نے دوبارہ آپ کو اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی جسے آپ نے منظور فرمالیا اور بادشاہ کے ہمراہ قصد فرمائے فارس ہوئے ابھی طہران میں قدم رکھا ہی تھا کہ لوگوں کو اگلی عقیدت نہ بھولی، طلبہ جوق درجوق آپ کے پاس آتے اور اس سرچشمۂ فیاض سے اپنی سیرابی کا سامان کرتے۔ اب کی بادشاہ آپ سے مطمئن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یوروپ کی اس طویل سیاحت نے اس کے اکثر وبیشتر شکوک وشبہات دھوڈالے تھے۔ چنانچہ اس نے آپ کو اپنا مقرب اور رفیقِ خاص بنالیا حکومت کے مہماتِ امور کے تصفیہ میں عدل اور ثالث تھے اور مجلس قانون ساز وغیرہ میں آپ کے مشورے اور ایمار سے کام ہوتا تھا۔ لیکن یہ چیز اہلِ حل وعقد پر شاق گذری، خصوصاً صدر مملکت کے سینے پر تو سانپ لوٹ رہے تھے۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اس بات سے قطع نظر کہ بادشاہ کے تمام اختیاراتِ قانون سازی کو سونپ دینے کا کیا نتیجہ اور شاخسانہ نکلتا ہے، بلاشبہ ان قوانین کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن ملک کی موجودہ صورت سے یہ جوڑ نہیں کھاتے۔ بات "معقول" تھی بادشاہ کے دل کو لگی پھر پہلے کی طرح کھنچا کھنچا نظر آنے لگا۔ علامہ کی فراست نے صورت حال کی نزاکت کا بخوبی احساس کرلیا۔ اور بادشاہ سے شاہ عبد العظیم کے ملک کو جانے کی اجازت چاہی جو طہران سے ۲۰ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اجازت مل گئی جب رختِ سفر باندھا اور پابرکاب ہوئے تو سربرآوردہ علمار اور بزرگ لوگوں کی ایک اچھی خاصی جمعیت آپ کے ساتھ ہولی۔ وقتاً فوقتاً آپ اس "حزب اللہ" میں تقریر فرماتے اور انھیں حکومت کی اصلاح حال پر ابھارتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس واقعہ کے بمشکل آٹھ ماہ بعد ملک فارس کے اطراف وجوانب میں آپ کا شہرہ ہوگیا اور اس عظیم الشان مقصد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ملک ایران کی عمومی اصلاح) سے بھی لوگ مانوس ہو گئے۔ شاہ ناصر الدین اس بیداری سے مطمئن نہ تھا، اس پر اندیشے کا بھوت سوار ہو گیا اور اس تحریک کے انجام سے تو اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ اب اس نے ایک سیاسی چال چلی اور شاہ عبدالعظیم کی خدمت میں پانسو سوار بھیجے کہ علامہ موصوف کو اپنی تحویل میں لے لیں اور واپس لے آئیں۔ سپاہیوں نے جب آپ کو گرفتار کیا تو حالت یہ تھی کہ سخت بیمار تھے۔ لیکن یہ بیماری تعمیلِ حکم کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی، بسترِ علالت کے ساتھ ہی آپ کو لے کر چلے۔ سلطنت عثمانیہ کی سرحد تک پچاس شہسوار آپ کے نگہبان و نگران تھے۔ جب آپ کے حلقۂ ارادت کو اس کی اطلاع ملی تو یہ بات انھیں بہت ہی ناگوار گذری اور بہت ہی برہم ہوئے اور بادشاہِ وقت کی اس بے ادبی اور گستاخی کے خلاف ایسی آواز اٹھائی کہ اس نے اپنی جان خطرہ میں محسوس کی۔

مکمل افاقہ ہونے تک وہیں مقیم رہے۔ اس کے بعد لندن تشریف لے گئے جہاں کے انگریزوں سے شناسائی پہلے ہی ہم کہہ آئے ہیں کہ ہو چکی تھی انھوں نے آپ کی بڑی خاطر داریاں کیں اور اپنے سیاسی اجتماعات اور علمی محفلوں میں مدعو کیا کہ اس طرح وہ آپ کو اسٹیج پر دیکھ سکیں اور باتیں سننے کا بھی انھیں موقع ملے۔ جہاں آپ کی گفتگو کا موضوع زیادہ تر بادشاہ کی حکمرانی اور وقتی صورت حالات ہوتا۔ وہ جاننا بھی یہی چاہتے تھے کیوں کہ انھوں نے شاہ کی معزولی پر ملک کے باشندگان کو ہر چند ابھارا اور توجہ دلائی تھی لیکن کچھ پیش نہ گئی۔

اس اثنا میں المابین ہمایونی۔ کا ایک مکتوب دولت علیہ کے سفیر متعینہ لندن (رستم بادشاہ) کی وساطت سے موصول ہوا جس میں آپ کو آستانہ آنے کی دعوت دی گئی تھی لیکن آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ آج کل مصروفیات بڑھ گئی ہیں نیز ملک کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے اور وقت کی تنگنائی اس کی اجازت نہیں دیتی لیکن اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوراً ہی بعد ایک دوسرا مراسلہ پہنچا۔ اب آپ نے بذریعہ ٹیلگراف قبول دعوت کی اطلاع کردی اور تصریح فرمادی کہ بادشاہ کی ملاقات کے فوراً بعد واپسی ہوگی۔ چنانچہ ۱۸۹۲ء میں آستانہ میں ورود فرمائے تو آپ کی خوب آؤ بھگت ہوئی کیوں کہ بادشاہ نے بہ نفس نفیس اپنی خصوصی توجہ مبذول کی تھی اور سیاست داں اور اہل علم حضرات کے پُرخلوص دل بھی آپ کے ساتھ تھے آپ یہاں بلا امتیاز سبھی کی نظروں میں مقبول و محترم تھے۔ یہاں تک کہ ۱۸۹۶ء میں آپ کے جبڑے پر سرطان کا حملہ ہوا۔ اور گردن تک کا حصہ متاثر ہوگیا۔ اسی تکلیف میں آپ کا ۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں وصال ہوگیا انا للہ الخ

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد ولکنہ بنیان قوم تھدما

اور "شیخلر مزار کفی" نامی قبرستان میں جو نشان طاش سے قریب پڑتا ہے دفن کردیئے گئے۔

صفات و مناقب واوصاف

قلمی تصویر | گندمی رنگ، بھرپور جسم اور سلیم فطرت پائی تھی۔ موثر نگاہ، جاذب نظر اور کسی قدر چھوٹی آنکھیں تھیں، مطالعہ کے وقت کتاب آنکھوں سے قریب کرتے، لیکن کبھی چشمہ نہیں استعمال کیا۔ ہلکے رخسار، لمبے لمبے بال والے تھے چست جبہ اور سردال زیب تن فرماتے۔

خورد و نوش | بہت کم خوراک تھے، دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے، بقیہ اوقات میں بہترین چائے نوشی کے عادی تھے۔ یوں بھی یہ حقیقت ہے کہ شکم پری انسان کی طبعی چالاکی اور ذہانت کو بے کار دیتی ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سگریٹ بھی پیتے تھے اس باب میں نفاست کا اتنا خیال تھا کہ کبھی اپنے کسی مرید کے ذریعہ سگریٹ نہیں منگوایا بلکہ خود اپنے ذوقِ طبع کے مطابق دکان سے خرید لاتے۔

مقام و رہائش | اپنی زندگی کے آخر لمحات آستانہ کے محلہ نشان طاش میں ایک محل میں بسر

لے فاضل مقالہ نگار نے اس کی صراحت [illegible] علامہ موصوف وفات تک آستانہ ہی میں [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کئے جو آپ کو بادشاہ کی طرف سے ملا تھا بادشاہ نے ایک گھوڑا گاڑی بھی مرحمت کی تھی۔ جہاں کہیں جانا ہوتا یہی آپ کی سواری تھی۔ ہر ماہ ۵، بسرہ (بسکہ عثمانی) وظیفہ مقرر تھا۔ مرض الموت سے قبل کا زمانہ اکثر و بیشتر گھر پر ہی رہتے البتہ سرِ شام تفریح کی غرض سے کاغذ خانہ پارک تشریف لے جاتے۔ بڑی فیاض طبیعت پائی تھی۔ ہمیشہ مصروفِ عمل رہتے سوتے تو غلس سے چاشت تک۔

بزم طراز ادیب تھے، بلا امتیاز مکتبِ خیال بھی آپ کو بہت چاہتے تھے، استقبال و خیر مقدم کے لئے خود بڑے اخلاص سے آگے بڑھتے اور الوداع کہتے تو کچھ دور جاتے۔ چھوٹے بچوں اور معمولی لوگوں سے ملنے میں کبھی عار محسوس نہ کیا۔ بڑے لسّان، پرگو اور فصیح ادیب تھے، گفتگو عموماً سہل عربی میں ہوتی، عوام اور خواص سے گفتگو کا انداز الگ ہوتا، آپ ایک شعلہ بیان اور پرجوش مقرر تھے اس بارے میں شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ کم از کم مشرق میں تو اس وقت آپ کا ہم پلّہ کوئی نہ تھا۔ کم مزاح، پروقار اور رازدار تھے، ایک دن میں متعدد اشخاص سے مختلف موضوعوں پر بحث ہوتی اور ہر موضوع بجائے خود بڑا اہم ہوتا۔ جب مجلس برخاست ہو جاتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ زیرِ بحث موضوع سے متعلق ساری بحث ختم ہو گئی ہے اور فریق مخالف آپ کے دلائل پر مطمئن ہے۔

علاوہ ازیں آپ آزاد منش، حق گو، عصمت شعار، نرم مزاج، غیور اور وقور تھے مستقل مزاجی اور قوتِ عزیمت ایسی کہ مرحلۂ دار و رسن بھی پیش آ جاتا تو ہر آن بخوشی اس کے لئے آمادہ، ایسا معلوم ہوتا گویا کوئی بہادر فتح و ظفر کا سہرا اپنے سر لیتے جا رہا ہے، دنیا کے خزف ریزوں سے کبھی اعتنا نہیں کیا۔ نہ افلاس کا خوف لاحق ہوا کہ مال و دولت سمیٹتے ادیب راوی ہے کہ مصر سے جلا وطنی کے ایام سوئز میں بسر کر رہے تھے اور آپ کی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی تو رسن کرا پرانی کونسل کا خازن آپ کے پاس چند ایک عجمی تاجروں کو لے کر آیا اور ایک خطیر رقم بطور تحفہ یا قرضِ حسنہ خدمت میں پیش کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر اسے ٹھکرا دیا کہ "مجھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ضرورت نہیں تم ہی رکھو شیر جہاں بھی ہوتا ہے اسے روزگار مل ہی جاتا ہے، آپ ہر کام میں آگے آگے رہتے اور لوگوں کو بھی آمادہ باقدام کرتے، آپ کا ہر دوست آپ کی صحبت سے نکلتا تو اپنے دل میں حصولِ کمال کا ایک بے پناہ جوش اور اس راہ میں جدوجہد کا ولولہ لیکر نکلتا — ان تمام اوصاف کے باوجود آپ میں گرم مزاجی بھی تھی جو نتیجہ تھی آپ کے خلاف چغلی کھانے والوں کی ریشہ دوانیوں کا۔

آپ بڑے ہوشیار، تیز ذہن اور رسا عقل والے تھے، بیٹھے بیٹھے بڑی وزن دار باتیں بیان کرتے۔ عقلی مباحث میں دقتِ نظر اور استدلال کی پختگی بھی آپ میں تھی۔ جب بھی آپ سے کوئی کسی مسئلہ پر گفتگو کرتا تو شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ آپ کے دلائل کا قائل ہوتا جاتا اور مجبوراً سپر ڈال دیتا۔ قوتِ حافظہ بلا کی تھی، فرنچ بھی سیکھی تھی اور اس سے ترجمہ بھی کر سکتے تھے بغیر استاد کے آپ نے اس زبان کے الفاظ و مفردات کا بڑا حصہ تین ماہ میں یاد کر لیا تھا اس زبان کی تعلیم میں ایک استاد نے صرف دو دن تک حروفِ ہجا آپ کو شناخت کرائے اور بس!

معقولات و منقولات دونوں میں آپ کا مطالعہ بڑا وسیع تھا علی الخصوص فلسفۂ قدیمہ، فلسفۂ تاریخ اسلام اور اسلام کے متعلق عام معلومات میں آپ کو بڑی دستگاہ تھی، افغانی، فارسی، عربی، ترکی اور فرنچ نیز روسی اور انگریزی زبان پر بھی آپ کو عبور تھا۔ مطالعہ گہرا تھا۔ اقوامِ عالم اور ان کے فلسفۂ اخلاق سے متعلق شاید ہی کوئی کتاب ہو گی جو آپ کی نظر سے نہ گذری ہو۔ زیادہ تر عربی اور فارسی کتب کا مطالعہ کرتے تھے،

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا نقطۂ نظر اور طریقۂ کار یہ تھا کہ سارے مسلمانوں کو اسلام کی بنیاد پر اتحاد کی دعوت دی جائے اور انھیں ایک پلیٹ فارم پر ایک بڑی اسلامی حکومت کے تحت جمع کیا جائے اس راہ میں آپ نے اپنی حتمی کوشش کی بھی اور اسی حسرت کو لیکر اس دنیا سے رخصت بھی ہو گئے۔ آپ نے شادی نہیں کی اور نہ کوئی ذریعۂ معاش اختیار کیا۔ لیکن باینہمہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے پائے تھے کہ رخصت ہو گئے۔ آپ کی تخلیقات میں "الرد علی الدہریین" اور متفرق مضامین کے علاوہ جن کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے کوئی اور کتاب منظرِ عام پر نہ آسکی۔ ہاں! آپ نے اپنے رفقاء کار [illegible] ایسی روح پھونکدی جس نے ان کی ہمتوں کو بلند

© rasailojaraid.com